تلخیص نگاری

تلخیص عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی خلاصہ، خلاصہ کرنا، خالص بنانا، مختصر کرنا، چناؤ اور پاک صاف کرنا کے ہیں۔ نگاری فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں تحریری رنگ آمیزی، زینت، زیبائش اور کتابت وغیرہ۔ اردو میں یہ لفظ بطور لاحقہ مستعمل ہے، جیسے: مضمون نگاری، تبصرہ نگاری، نامہ نگاری وغیرہ۔ تلخیص نگاری سے مراد ہے کسی اقتباس کو اختصار اور جامعیت سے لکھنا، کسی اقتباس یا عبارت کا خلاصہ یوں بیان کرنا کہ اس کے تمام غیر ضروری الفاظ وتراکیب کی جگہ مختصر اور جامع الفاظ اس کا اصل ظاہر کریں۔ تلخیص نگاری سے عبارت کا اصل جوہر منظرِ عام پر لایا جاتا ہے۔

خلاصہ اگرچہ اصل مضمون، اصل دستاویز یا اصل متن کا نعم البدل نہیں ہوتا تاہم محدود وقت میں معلومات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ خاص مقاصد کے حصول کے لیے تخلیق کیا جاتا ہے۔ مختصر اور جامع الفاظ قاری کو کسی مضمون کی وسعت یا متن کی طوالت سے اکتاہٹ کا شکار نہیں ہونے دیتے اور وہ تحریر کا لبِ لباب بآسانی سمجھ پاتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے کہ اصل تحریر کا مطالعہ اس کے لیے ضروری ہے یا نہیں۔ تلخیص نگاری سے تحریر وتقریر میں غیر ضروری طوالت سے احتراز ممکن ہوتا ہے۔ اس سے ایک طرف بیان کے مقصد کی تحصیل آسان ہوتی ہے اور دوسری طرف وقت کی بچت بھی۔ عطش درانی لکھتے ہیں:

> ”تلخیص کسی عبارت کو کم از کم الفاظ میں اس طرح لکھنا کہ اس عبارت کا تأثر برقرار رہے اور کوئی بات محلِ نظر نہ ہو، تلخیص نگاری کہلاتی ہے۔“

تلخیص نگاری کے لیے چند اہم ہدایات:

۱۔ تلخیص اصل عبارت کی ایک تہائی تک محدود رکھیے۔
۲۔ تلخیص میں عبارت کے اصل نکات ضرور درج کریں۔
۳۔ تلخیص ایک جامع پیراگراف میں لکھیے۔
۴۔ مکالمانہ انداز کو بیانیہ میں بدلنا چاہیے۔
۵۔ غیر ضروری تراکیب، مترادفات، تشبیہات وغیرہ سے گریز کریں۔
۶۔ عبارت کا مناسب عنوان تجویز کریں۔

نمونہ تلخیص

(۱)

درختوں کی بہتات ہوا میں موجود آبی بخارات میں اضافے کا باعث بنتی ہے اور بارش کے ذریعے فضائی آلودگی کو کم کرنے میں اہم کردار انجام دیتی ہے۔ اس کے علاوہ درختوں کی وجہ سے زمینی اور صوتی آلودگی بھی کم ہوتی ہے۔ وہ علاقے جہاں سیم اور تھور زیادہ ہو، وہاں درخت زمین سے پانی جذب کر کے زیرِ زمین پانی کی مقدار کو کم کر دیتے ہیں۔ اس طرح پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور زمین قابلِ کاشت بن جاتی ہے۔ پھل دار درخت اور پھول دار پودے مناظرِ فطرت کو پرکشش بناتے ہیں۔ سبزہ مال مویشیوں کی

خوراک بنتا ہے۔درختوں کی وجہ سے فرنیچر، ریشم اور گتہ سازی جیسی صنعتیں فروغ پاتی ہیں۔درخت نہ صرف ہمارے بہترین دوست ہیں بلکہ ان پر چڑیا اور فاختہ جیسے بے شمار پرندے گھونسلے بناتے، پرورش پاتے اور چہچہاتے ہیں، اس لیے انھیں بلا وجہ ایندھن کی نذر نہیں کرنا چاہیے۔

مجوّزہ عنوان: درخت ایک نعمت

تلخیص: درختوں کی پیدا کردہ نمی بارشوں کا سبب بنتی ہے۔ان کی بہتات زمینی،صوتی اور فضائی آلودگی کو کم کرتی ہے۔درخت زمین کو زرخیز بناتے اور ماحول کو سجاتے ہیں۔ان سے لکڑی کی صنعت فروغ پاتی ہے۔انسانوں اور پرندوں کے یہ دوست ایندھن کی نذر نہیں ہونے چاہییں۔

(۲)

اخلاقی لحاظ سے بلاضرورت کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا اور بھیک مانگنا نہایت بُرا فعل ہے ۔ ہمارے معاشرے میں آج کل گداگری ایک پیشے کی صورت اختیار کر چکی ہے ۔ ہمارے ملک کے چھوٹے بڑے شہر، قصبے اور دیہات بھی اس کا شکار ہو چکے ہیں۔ مختلف قومی اور مذہبی تہواروں کے موقع پر گداگروں کی قطاریں لگی نظر آتی ہیں۔گلی محلوں میں بھیک مانگنے والے گداگروں کے انداز بہت عجیب ہوتے ہیں۔کوئی اونچی آواز میں التجا کرتا ہے تو کوئی دعائیں دیتا ہے اور کوئی مُترنّم صدائیں دیتا نظر آتا ہے۔معذور لوگوں کے ساتھ صحت مند مرد و خواتین جگہ جگہ بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔معروف اور مصروف شاہراہیں ہوں یا چوک چوراہے، بھکاریوں کی طرح طرح کی اداکاری اور انداز ہر کسی کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ آخر ہمارا معاشرہ کس طرف کو جا رہا ہے؟

مجوّزہ عنوان: گداگری ایک سماجی مسئلہ

تلخیص: گداگری جیسا برا فعل پیشے کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ ہمارے ملک میں ہر تہوار پر ہر جگہ گداگروں کی کثرت نظر آتی ہے۔گلیوں اور شاہراہوں پر معذوروں کے ساتھ تندرست لوگ بھیک کے لیے ہمہ اقسام صدائیں دیتے اور فکر انگیز اداکاری کرتے نظر آتے ہیں۔

مشقی عبارات

۱

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں۔ایک وہ جس نے اپنے باپ دادا کو درجۂ کمال تک پہنچا ہوا قابلِ سہو و خطا سمجھ کر ان کے علوم وفنون اور طریقۂ معاشرت کو کامل سمجھا اور اس کی پیروی پر جمی رہی اور اس کی بہتری اور ترقی پر اور نئی چیزوں کے اخذ و ایجاد پر کچھ کوشش نہیں کی۔ دوسری قوم نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں نئے نئے علوم وفنون اور طریقۂ معاشرت کے ایجاد میں کوشش

کرتی رہی۔اب دیکھ لو کہ ان دونوں قوموں میں کیا فرق ہے۔کون ترقی اور کون تنزل کی حالت میں ہے۔

۲

سرسید نے اپنے خیالات کے ظاہر کرنے میں بناوٹ اور تصنّع کو کبھی دخل نہیں دیا۔جس سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ ابتدا میں مطلب نگاری شروع کی تھی، غدر کے زمانے تک جو کہ تقریباً بیس برس کا ہوتا ہے، اپنے سیدھے سادے نیچرل اسٹائل (قدرتی اسلوب) میں ہر قسم کی تحریریں کیا کتابیں، کیا مضامین، کیا مقدمات کے فیصلے اور تحریریں برابر لکھتے رہے۔اس میں بیس سال کی مشق اور مہارت نے جو کہ ایک انداز پر متصل جاری رہی اور پیچیدہ مضمون کے سلجھانے کی ایک غیر معمولی طاقت پیدا کردی۔

۳

انسان ایک ایسی ہستی بنایا گیا ہے جس کی فطرت میں آزادی اور خودمختاری رکھی گئی ہے۔وہ ذی عقل اور ذی شعور ہے۔اس کو تمام قوائے ظاہری اور باطنی دیے گئے ہیں۔ان کے استعمال پر جس طرح کہ وہ چاہے قادر ہے۔تمام کاموں کے شروع کرنے کی سمجھ اور ان کے انجام کی سوچ اُس کو دی گئی ہے تاکہ ہر کام کا آغاز اور انجام سوچ لے۔اس کی فطرت ایسی ہے کہ اپنے لیے آپ تمام چیزیں مہیا کرنے کے لیے حاجت مند ہے۔وہ ضروریاتِ زندگی فراہم کرسکتا ہے۔وہ قدرت رکھتا ہے۔پس یہ تمام چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس صانع کی مرضی یہی تھی کہ یہ پُتلا آپ اپنا مالک رہے۔

۴

دنیا میں جب بھی حق پر بُرا وقت آیا، جب بھی جھوٹ اور کِذب کے طوفانوں نے حق کو گھیرا، جب بھی ظلمت کی آندھی چڑھی، حق کے دیوانوں نے بڑھ چڑھ کر اس چیلنج کا مقابلہ کیا۔تعداد کی قلّت کے باوجود باطل کی کثرت کے سامنے ڈٹ گئے، سینہ سپر ہو گئے۔باطل کے ظاہری رعب اور دبدبہ کے باوجود اُن کے پائے استقامت نہیں لڑکھڑائے۔وہ قطعاً نہیں گھبرائے، وہ جان و مال اور اہل و عیال کی قربانی دینے کے لیے ہمیشہ تیار تھے اور رہے۔کرب و بلا کی داستان بھی ان ہی اہلِ ایماں کے خون سے رنگین ہے۔بدر و حنین کا معرکہ بھی ان ہی کے ایمان و ایثار کا منھ بولتا ثبوت ہے۔دنیا میں باطل آج بھی ذلیل و رسوا ہے اور حق آج بھی سربلند ہے۔آج بھی حق فاتح ہے اور اس کا ڈنکا بجتا ہے۔

۵

جو اشخاص شہرت کے آسمان پر آفتاب ہو کر چمکے ہیں، اُن کے سوانح کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے دن رات ان تھک محنت کرتے ہیں۔لیکن وہ نوجوان عموماً سست اور کاہل ہوتے ہیں جو اپنے زعم میں یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کی ترقی کا سبب اُن کی ذہانت اور ذکاوت تھی، نہ ان کی ذاتی کوشش۔یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جتنا کوئی شخص سست اور کاہل ہوگا، اتنا ہی اس بات کا قائل ہوگا کہ بڑے بڑے کام صرف ذہین اشخاص ہی کرسکتے ہیں۔ذہانت کیا ہے؟ انتہا درجے کی کاوش کرنے کی

اہلیت کا دوسرا نام۔ کاش! ان سُست اور کاہل نوجوانوں کو ان تکالیف، ان مصائب اور ان ناکامیوں کا علم ہوتا جو بڑے کام کرنے والی ہستیوں کے سدِ راہ ہوتے ہیں تو یقیناً اُن کی ڈھارس بندھ جاتی اور وہ بھی کام کرنے کے لیے کمر باندھ لیتے۔

٦

کسی غیر زبان کو ذریعۂ علم بنانا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ جاپان میں جاپانی، چین میں چینی، انگلستان میں انگریزی، فرانس میں فرانسیسی، جرمنی میں جرمن غرضیکہ ہر ملک کے اندر وہی زبان ذریعۂ تعلیم ہے جس کو سب بخوبی سمجھتے ہیں سوائے پاکستان کے، جہاں سب لوگ سمجھتے تو اُردو ہیں لیکن یہاں ذریعۂ تعلیم انگریزی ہے اور اسی وجہ سے ہمارا معیارِ تعلیم پست ہے۔ علم اسی زبان میں اچھی طرح دی جاسکتی ہے جس کو طالب علم آسانی سے سمجھ سکیں۔ ہمارے یہاں تعلیم اس زبان میں دی جاتی ہے جس کو سمجھنے سمجھانے میں دس سال کا عرصہ لگ جاتا ہے اور پھر کہیں جا کر صحیح معنوں میں علم سیکھنے کا آغاز ہوتا ہے۔ ہمارے زوال، پستی اور نالائقی کا واحد سبب یہی ہے کہ ہم نے اُردو کو ذریعہ تعلیم نہیں بنایا اور ہم اپنا قیمتی وقت علوم سیکھنے کے بجائے انگریزی سیکھنے میں ضائع کر دیتے ہیں۔

٧

تعلیمی پستی اور کم شرحِ تعلیم کے یوں تو بہت سے اسباب ہیں اور اُن کی تفصیل کے لیے دفتر کے دفتر درکار ہیں لیکن میرے خیال میں گرتے ہوئے معیارِ تعلیم کا بنیادی سبب اور اصل وجہ تعلیم کے لیے مثبت منصوبہ بندی کا فقدان ہے۔ سستی شہرت اور نام نہاد نعرۂ ترقی نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔ نام نہاد ماہرین نے تعلیم کو عام کرنے کا نعرہ لگایا تو ہر ضلع تحصیل اور قصبے میں تعلیمی ادارے منصۂ شہود پر آئے۔ ان میں سے بہت سے تعلیمی ادارے اپنی قسمت کو رو رہے ہیں اور نونہالانِ قوم بھی مفت میں اپنی جان کھو رہے ہیں۔ تعلیمی ادارے تو ہر جگہ موجود ہیں مگر طلبہ و طالبات، اساتذہ، والدین اور دیگر متعلقہ افراد کی عدم توجہی اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ اساتذہ ہیں کہ رہائش کے مسئلہ سے دو چار در بدر مارے مارے پھرتے ہیں۔ عوام اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ ان کا تعاون نہ ہونے کے برابر ہے۔ جب تک تعلیمی ادارے مذکورہ بالا مسائل سے دو چار رہیں گے، معیارِ تعلیم گرتا چلا جائے گا۔

٨

انسان کے ارد گرد کا ماحول اس کی فطرت کی عکاسی کرتا ہے۔ صحت مند انسانوں سے صحت مند معاشرے جنم لیتے ہیں۔ صحت کی قیمت پر کوئی بھی ترقی خوش آیند نہیں ہوا کرتی۔ انسان دوستی اور پائیدار معاشرے کے شفاف تصور کے لیے ہر شخص کو، جہاں تک اس کی دسترس ہے، اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔ چنانچہ ہم پر لازم آتا ہے کہ ہم اپنی ضرورتیں اس طرح پوری کریں جن سے وسائل پر کم سے کم بوجھ پڑے۔ یہ نہ ہو کہ ہمارے آج کے آرام و آسائش کا خمیازہ ہماری آنے والی نسلوں کو بھگتنا پڑے۔ اس کی ابتدا کا پہلا، آسان اور سب سے مناسب راستہ یہ ہے کہ ہم ماحولیات کے بنیادی اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے، پانی، توانائی اور باقی چیزوں کو کفایت سے